جنوب ایشیا اور یورپ میں تہذیبی ارتباط: تاریخی شواہد❁

نجیبہ عارف❁

Civilizational Interaction between Europe and South Asia: Historical Evidences

Najeeba Arif❁

ABSTRACT

South Asia has been explored by the Europeans since the ancient times. It has been a land of opportunities for the European nations and they have always been attracted towards its versatility, abundance of resources, and riches. There are a number of evidences in the form of written narratives that affirm the fact that South Asia has been a region where adventurers and fortune-seekers found attraction throughout history. This article studies how the people of two regions—South Asia and Europe—interacted with each other in different periods. Using some rare sources, it chronologically traces civilizational interaction between the two regions. The article covers the period from the ancient times to the first half of the eighteenth century.

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

❁ یہ مقالہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے تعاون سے جاری NRPU تحقیقی منصوبے کا ایک جزو ہے۔

❁ پروفیسر / صدر شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔ (najeeba.arif@iiu.edu.pk)

❁ Professor/ Head, Department of Urdu, International Islamic University, Islamabad. (najeeba.arif@iiu.edu.pk)

تعارف

مشرق اور مغرب یوں تو کائنات میں کرۂ ارض کی مکانیت کو ظاہر کرنے والی سمتیں ہیں لیکن زمانۂ قدیم سے یہ الفاظ اصطلاحی مفاہیم کے بھی حامل رہے ہیں۔ جدید سیاسی اور سماجی تناظر میں ان الفاظ کی اصطلاحی معنویت اکثر موضوعِ بحث رہتی ہے۔ ان مباحث کا ایک بڑا محرک شرق شناسی(Orientalism) کی وہ تحریک ہے جس نے نو آبادیاتی عہد میں فروغ پایا اور جس کے تحت مشرقی السنہ، ادبیات، فلسفے اور تہذیب و ثقافت کے مطالعات کو رواج ملا۔ ان مطالعات کے نتیجے میں اہلِ مغرب، یعنی اقوامِ یورپ، نے مشرق کے بارے میں ایک مخصوص تصور تشکیل دیا۔ آہستہ آہستہ یہ تفریق جغرافیائی تناظر سے بڑھ کر تہذیبی و ثقافتی تشخص تک جا پہنچی اور یہ خلیج اتنی بڑھی کہ مشرق و مغرب کو ایک دوسرے سے متضاد، متصادم بلکہ متحارب اکائیاں سمجھا جانے لگا۔ بیسویں صدی میں مشرق کو مخصوص تناظرات میں دیکھنے کے اس رجحان کے خلاف واضح رد عمل سامنے آیا۔ ایڈورڈ سعید(Edward Said؛ ۱۹۳۵ء–۲۰۰۳ء) نے اس گہری ہوتی خلیج کو شرق شناسی کی اس تحریک کا نتیجہ قرار دیا جو ان کے خیال میں سامراجیت اور استعماریت کے آلۂ کار کے طور پر ابھری تھی۔ ان تمام مباحث کے درمیان ایک نحیف اور کم زور سی آواز غرب شناسی (Occidentalism) کی بھی تھی۔ غرب شناسی کی یہ آواز ایک توانا تحریک نہ بن سکی، کیوں کہ ابتدا ہی میں اسے ایک منفی اور سلبی نوعیت کی تحریک قرار دے دیا گیا جس کا مقصد مغربی اقوام، اور عصری تناظر میں بالخصوص امریکہ کی آزادی، جمہوریت، روشن خیالی اور سب سے بڑھ کر معاشی و اقتصادی خوش حالی پر حملہ سمجھا گیا۔ دیگر معاشروں کی طرح جنوبی ایشیا میں بھی غرب شناسی کی یہ تحریک زیادہ تر سیاسی و عمرانی مباحث پر مبنی رہی ہے اور علمی، ادبی اور سماجی سطح پر ان گہرے رجحانات و محرکات تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی گئی جو اہلِ مشرق کے تصورِ مغرب کی تفہیم و توضیح میں مدد دے سکیں۔ اس مقالے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جنوب ایشیائی اقوام کے یورپی اقوام سے تعامل کے تاریخی شواہد کا جائزہ لیا جائے اور اس کے پس منظر اور تاریخی تناظر کا مطالعہ کیا جائے۔ یہ مقالہ ابتدا سے لے کر اٹھارویں صدی کے نصف اول تک، یعنی جنوبی ایشیا میں نو آبادیاتی عہد کے باقاعدہ آغاز سے ما قبل، ہند۔یورپ روابط کے اب تک دریافت یا دست یاب ہونے والے شواہد پر بنیاد رکھتا ہے۔

عہد قدیم میں یورپی باشندوں کی ہندوستان آمد

۱۴۹۸ء میں پرتگالیوں کے ہندوستان میں آنے سے بہت پہلے کئی یورپی سیاح اور مہم جو حکم ران ہندوستان آ چکے تھے اور ان میں سے چند ایک نے سفر نامے بھی تحریر کیے تھے۔ تاریخ میں مقدونیہ کا اسکندر

(۳۵۶۔۳۲۳ ق م) وہ پہلا بادشاہ تھا جو ۳۲۷/۳۲۶ قبل مسیح میں اپنے عظیم الشان لشکر سمیت ہندوستان آیا تھا۔ اسکندر کا حملہ آور ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس سے پہلے بھی یونان سے مسافر اور تاجر اس خطے میں آتے رہے ہوں گے اور ان کی بیان کردہ معلومات کے نتیجے ہی میں اسکندر نے ہندوستان کو "عجائبات کی سرزمین اور دولت کی کان" سمجھ کر یہاں لشکر کشی کا فیصلہ کیا تھا۔ اسکندر کی ہندوستان آمد محض ایک عسکری مہم ہی نہیں تھی بلکہ مشرق و مغرب کے درمیان ارتباط کی اہم کڑی بھی تھی۔ اس دور کے ہند۔یونانی تعلق کی ایک تصویر یونان میں لکھی جانے والی کتاب **انڈیکا** (*Indica*) میں ملتی ہے۔ اس کتاب کا مصنف، معروف مؤرخ، سفارت کار اور مفکر میگس تھینس (Megasthenes) تھا جو یونان کے سفیر کے طور پر ۲۹۸ ق م میں پاٹلی پترا (پٹنہ، بہار، ہندوستان) آیا تھا۔ یہ کتاب اپنی اصل حالت میں محفوظ نہیں رہی لیکن اس کے کچھ اقتباسات و مندرجات، جو دیگر قریب العہد مصنفین نے اپنی کتابوں میں نقل کیے تھے، محفوظ رہ گئے۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ میگس تھینس نے اپنی کتاب میں اس دور کے ہندوستان کی تاریخ، جغرافیے، پیداوار، معاشی و سماجی حالات، فلسفے، نظم و نسق اور دیگر عوامل کو تفصیل سے بیان کیا تھا۔ یہ کتاب ہند۔یورپ تعلقات کا پہلا دستاویزی ثبوت قرار دی جاسکتی ہے۔[1]

میگس تھینس کے بعد بھی یونان اور دیگر یورپی علاقوں سے کئی سیاح، تاجر اور مسافر ہندوستان آئے ہوں گے اور یہاں سے بھی شاید کچھ لوگوں نے مغربی علاقوں کا سفر اختیار کیا ہو مگر تاریخ میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ کم و بیش تیرہ سو سال بعد جس فرنگی سیاح نے ہندوستان میں اپنی سیاحت کا حال تفصیل سے تحریر کیا ہے، وہ اٹلی کا تاجر اور مہم جو مارکوپولو (Marco Polo؛ ۱۲۵۴ء–۱۳۲۴ء) تھا جو تیرھویں صدی کے اواخر میں شاہراہ ریشم کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا چین اور پھر ہندوستان پہنچا۔ اس نے اپنی سیاحت کے احوال پر مبنی ایک کتاب بھی تصنیف کی جس کا کوئی مستند نسخہ دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس کے باوجود کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پرنٹنگ پریس کی ایجاد سے پہلے اس کتاب کے مختلف زبانوں میں ترجمہ شدہ ۱۵۰ قلمی نسخے موجود تھے۔ کتاب کے مندرجات استناد اور معلومات، ہر دو اعتبار سے تنقید کا نشانہ بنتے رہے ہیں اور ماہرین نے اختلافاتِ متن کے علاوہ، کئی قسم کی معروضی معلومات کے ناقص ہونے کا ثبوت بھی پیش کیا ہے۔ اس کے باوجود یہ اپنے عہد کی دل چسپ تاریخ اور معاصر شہادت ہونے کی بنا پر اہمیت کی حامل ہے۔

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

J. W. McCrindle, *Ancient India as Described by Megasthenes and Arrian* (London: Trubner & Co, 1877).

مارکوپولو کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پندرھویں صدی کے نصف اوّل میں اٹلی کے ایک اور تاجر نکولو دی کونتی (Niccolò de Conti؛ ۱۳۹۵ء– ۱۴۶۹ء) نے شام، جنوب مشرقی ایشیا اور ہندوستان کا سفر کیا اور اپنے مشاہدات و تجربات پر مشتمل تصنیف بھی یادگار چھوڑی۔ دی کونتی کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے پہلی بار ہندوستان اور افریقہ سے یورپ تک کے بحری راستے کا ذکر کیا جس کی روشنی میں اٹلی کے ایک جغرافیہ دان فرامورو (Fra Mauro؛ ۱۴۰۰ء– ۱۴۶۴ء) نے ۱۴۵۰ء میں پوری دنیا کا مفصل نقشہ بنایا تھا۔

دی کونتی سمندر کے راستے ہندوستان پہنچا اور گجرات، وجیانگر، چناے، سونار گاؤں اور چٹاگانگ جیسے شہروں کی سیاحت کی۔ اس کے بعد برما، جاوا اور ویت نام سے ہوتا ہوا دوبارہ کالی کٹ آیا اور وہاں سے واپسی کا بحری سفر اختیار کیا۔ وہ نہ صرف عربی جانتا تھا بلکہ ملیالم زبان سے بھی واقف تھا۔ اپنے سفر نامے میں اس نے ان مشرقی ممالک کو دولت، ثقافت اور شان و شوکت کے اعتبار سے مغربی ممالک، بالخصوص اٹلی سے کہیں آگے اور عظیم تر قرار دیا تھا۔ اس کا سفر نامہ پہلے تو قلمی نسخے کی صورت میں اہلِ علم کے پاس محفوظ رہا۔ بعد ازاں اس کے مختلف زبانوں میں تراجم ہوئے جن کی کئی اشاعتیں طبع ہو چکی ہیں۔[۲]

اس کے بعد واسکوڈے گاما (Vasco de Gama؛ ۱۴۶۰ء– ۱۵۲۴ء) ۱۴۹۸ء میں ہندوستان آیا اور اپنے سفر کا حال روزنامچے کی صورت تحریر کیا۔ واسکوڈے گاما کی ہندوستان کے مقامی ہندو راجاؤں سے ملاقات، مسلمانوں سے خوف زدہ اور محتاط رہنے اور مقامی آبادی سے تعلقات کے اتار چڑھاؤ کی ایک طویل داستان ہے جو اس نے اپنے روزنامچے میں بیان کی ہے۔ اس روزنامچے کے مندرجات کو انگریزی میں منتقل کر کے ایک ضخیم جلد کا جزو بنایا گیا اور ۱۷۴۴ء میں لندن سے شائع کیا گیا۔[۳] یوں تو یہ پوری کتاب ہی دل چسپ اور قابل مطالعہ ہے لیکن ہندوستان اور یورپی اقوام کے تعامل کے ابتدائی مراحل کو سمجھنے کے لیے واسکوڈے گاما کے سفر نامے کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

۲– اس سفر نامے کا انگریزی ترجمہ جے۔ ڈبلیو۔ جونز (J.W. Jones) نے ۱۸۵۷ء میں *The Travels of Niccolò Conti in the East, in the Early Part of the Fifteenth Century* کے عنوان سے لندن سے شائع کروایا۔ اس سے پہلے یہ اصل زبان یعنی لاطینی کے علاوہ پرتگالی، ہسپانوی اور اطالوی زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی تھی۔ ۱۵۷۹ء میں جون فریمپٹن (John Frampton) نے پہلی بار اس کا ترجمہ ہسپانوی سے انگریزی میں کیا تھا۔

3– *A New General Collection of Voyages and Travels: Consisting of the Most Esteemed Relations, which have been Hitherto Published in Any Language* (London: Thomas Astley, 1744), Book 1, Vol 1, 30-40.

واسکوڈے گاما کے اس سفر کا اہم ترین نتیجہ یہ تھا کہ اس کے پہلے سفر کے صرف سات سال کے قلیل عرصے کے بعد، ۱۵۰۵ء میں فرانسسکو ڈی المیڈا (Francisco de Almeida؛ ۱۴۵۰ء–۱۵۱۰ء) نے ہندوستان میں پہلے پرتگالی گورنر کا منصب سنبھال لیا اور یوں پہلی بار ہندوستان کے جنوب مغربی ساحلوں پر یورپی نو آبادیاتی حکومت قائم ہوئی۔ اس سفر نے ہندوستان کے راستے مغربی اقوام کے لیے کھول دیے اور انھوں نے یہاں اپنا اپنا اختیار و تسلط قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

اس مہم جوئی کے متعدد محرکات بیان کیے جاتے ہیں لیکن کم و بیش سبھی مؤرخین متفق ہیں کہ تجارتی اور تبلیغی مقاصد وہ بنیادی محرکات ہیں جن کے تحت یورپی اقوام نے نئے سمندروں اور نئی زمینوں کو دریافت کرنے کا شغل اختیار کیا۔ ایک طرف تو مسیحی عقائد کی نشر و اشاعت اور "کافروں" کو مشرف بہ ایمان کرنے، بالخصوص اپنے پرانے حریف یعنی مسلمانوں کی طاقت کو ضرب لگانے کی خواہش کارفرما تھی، اور دوسری طرف سونے، چاندی، قیمتی پتھروں، مصالحوں، جڑی بوٹیوں، ادویات، ریشم اور غلاموں کی تلاش انھیں نئے خطوں کی اسرار کشائی پر آمادہ کر رہی تھی۔ دراصل عثمانیوں نے بحیرۂ روم پر قبضہ کر کے ان قدیم تجارتی راستوں پر قبضہ جما لیا تھا جو یورپ کو مشرق سے ملاتے تھے۔ ادھر منگول سلطنت بکھر رہی تھی اور مغربی تاجر محفوظ زمینی راستوں سے بھی محروم ہو گئے تھے۔ یوں بحر اوقیانوس کے ساحلوں پر ابھرنے والی یورپی اقوام سمندر پار تجارت اور مہم جوئی کے لیے تیار و آمادہ ہو چکی تھیں۔[۴]

دنیا بھر میں اس مہم جوئی کا آغاز پرتگالی شہزادے ہنری (۱۳۹۴ء–۱۴۶۰ء) نے ۱۴۱۹ء میں کیا، جسے اس کی انھی مہمات کی وجہ سے ہنری دی نیوی گیٹر (Henry the Navigator) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ پرتگالی، فرانسیسی اور اطالوی اقوام اس سے پہلے بھی بحیرہ روم میں سفر کرنے کی عادی تھیں، لیکن یہ سفر عام طور پر ساحل اور خشکی کے قریب قریب کی منزلوں تک ہی محدود رہتے تھے۔ ہنری نے نقشوں کی مدد سے پہلی بار دور دراز کے سمندری راستے کھوجنے کی کوشش کی اور کچھ نئے جزیرے دریافت کرتے ہوئے بالآخر مغربی افریقہ کا سمندری راستہ دریافت کر لیا۔ ہنری صلیبی جنگوں کا پرجوش سپاہی تھا اور اسے امید تھی کہ وہ ان نئے سمندری راستوں پر سفر کر کے شمالی افریقہ پہنچ کر عرب سلطنت پر اس کے عقب سے حملہ کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ ۱۴۴۰ء میں پرتگالی، موجودہ سینی گال کے مقام تک پہنچ چکے تھے اور ۱۴۹۰ء میں انھوں نے راس الامید (Cape of Good

4– Jean Brown Mitchell, "European Exploration", Encyclopedia Britannica, https://www.britannica.com/topic/European-exploration, accessed April 12, 2018.

(Hope کا مقام بھی عبور کر لیا تھا۔ اسی راستے سے واسکوڈے گاما۱۴۹۸ء میں ہندوستان پہنچا۔ اس کے مقاصد بھی وہی تھے جنھیں پورا کرنے کے لیے کولمبس (Christopher Columbus؛ ۱۴۵۱ء– ۱۵۰۶ء) ۱۴۹۲ء میں امریکہ دریافت کر چکا تھا، اور مرتے دم تک امریکہ کو انڈیا یا چین کا کوئی علاقہ سمجھتا اور قبلائی خان کے دربار تک پہنچنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

پندرھویں صدی سے اس طویل عہد کا آغاز ہوتا ہے جس کے دوسرے انتہائی مقام پر اس وقت ہم موجود ہیں اور جو ایک نئے عہد کا نقطۂ آغاز بھی ہو سکتا ہے۔ یورپی اقوام نے صلیبی جنگوں کے بے نتیجہ انجام کے بعد، جن میں وہ اپنے مقدس مقامات پر تسلط حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے، اپنی توجہ تجارتی راستوں کی دریافت اور ان پر تسلط حاصل کرنے کے مقصد پر مرکوز کر دی تھی اور اس کوشش میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں مصروف تھیں۔ واسکوڈے گاما کی بحری مہم نے یورپی اقوام کے لیے ہندوستان کا دروازہ کھول دیا تھا۔ پرتگالیوں نے ساحلی علاقوں میں اپنی منافع بخش تجارت کا آغاز کرتے ہی تبلیغی کوششوں کے ساتھ ساتھ طاقت کا استعمال بھی شروع کر دیا تھا۔ انھوں نے ہندوستانی سمندری راستوں پر اس طرح قبضہ جما لیا کہ کوئی جہاز ان سے اجازت نامہ حاصل کیے بغیر گزرنے کا مجاز نہیں تھا۔ یہاں تک کہ حاجیوں کے جہاز بھی روکے جانے لگے۔ ۱۵۴۵ء میں گوا کے گورنر کا یہ قول ان کے مقاصد کی گواہی دیتا ہے کہ وہ ایک ہاتھ میں صلیب اور دوسرے میں تلوار اٹھا کر ہندوستان میں داخل ہوئے ہیں۔ اس ارادے کا عکس اس سنگی مجسمے کی صورت میں بھی نظر آتا ہے جو گوا میں وائس رائے کی محراب پر تعمیر کیا گیا تھا اور جس میں ایک مسیحی صوفی تلوار اٹھائے کھڑا ہے اور اس کی تلوار کا رخ نیچے فرش پر گرے ایک ہندوستانی مسلمان کی جانب ہے۔

اسی زمانے، یعنی سولھویں صدی میں ایک پرتگالی سیاح دوارتے باربوزا (Duarte Barbosa؛ ۱۴۸۰ء–۱۵۲۱ء) دکن گیا اور ایک سفر نامہ بھی لکھا۔ باربوزا ہندوستان میں پرتگالی حکومت کا ایک اہل کار اور مقامی زبان ملیالم کا مترجم تھا۔ اس نے اپنی سرکاری ملازمت کی ذمہ داریوں کے دوران دکن کے علاوہ بھی کئی ممالک اور شہروں کی سیر کی اور واپس پرتگال پہنچ کر اپنے تجربات کو سفر نامے کی صورت میں بیان کیا۔(۵)

سولھویں صدی میں باربوزا کے علاوہ بھی کئی یورپی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آنا شروع ہو گئے

5– Mansel Longworth Dames, *The Book of Duarte Barbosa : An Account of the Countries Bordering on the Indian Ocean and Their Inhabitants,* 2 volumes (London: Hakluyt Society, 1918- 1921).

تھے۔ ان میں کئی ڈاکٹر یا طبیب بھی شامل تھے جنھیں ہندوستانی حکم رانوں نے اپنی یا اپنے کسی عزیز کی بیماری کا علاج کرنے کے لیے اپنے ملک میں بلایا اور ان کی خاطر داری کی۔ بیش تر تو یہیں قیام پذیر ہو گئے اور اپنی پیشہ ورانہ مہارت کی بہ دولت اعلیٰ سماجی رتبے اور دولت و ثروت سے لطف اندوز ہوئے۔ سولھویں صدی سے اس تعامل میں اچھا خاصا اضافہ ہو تا گیا۔ حکیم سید محمود احمد برکاتی نے ستر ایسے "فرنگی" ڈاکٹروں کا تذکرہ کیا ہے جو ۱۵۰۰ء سے ۱۸۰۰ء تک کے عرصے میں ہندوستان آئے اور قیام پذیر ہوئے۔ یہیں انھوں نے تصنیف و تالیف کا کام کیا، ہندوستانی زبانیں سیکھیں، مقامی جڑی بوٹیوں اور ادویات کا علم حاصل کیا اور انھیں اپنے نسخوں اور دواؤں میں استعمال کیا۔ ان میں سے کچھ تو ایسے بھی تھے جو علم طب کی تعلیم نہیں رکھتے تھے اور محض اتائی[۶] تھے۔ قسمت یا اتفاق سے ان کا کوئی نسخہ یا علاج کام یاب ہو گیا تو انھیں طبیب کی حیثیت سے شہرت حاصل ہو گئی۔ یہ طبیب شاہی معالجین کی حیثیت سے مختلف درباروں سے وابستہ رہے اور ان میں سے کچھ درباری سازشوں، سیاسی جوڑ توڑ اور جاسوسی کی مہمات کا حصہ بھی بنے رہے۔[۷]

سترھویں صدی کے آغاز ہی سے دیگر یورپی اقوام نے ہندوستانی سرزمین کی طرف رخ کرنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے ڈینز آئے، پھر انگریز اور ولندیزی اس طرف متوجہ ہوئے اور اپنی اپنی مختلف حریف تجارتی کمپنیوں کے ادغام و اشتراک سے ایک بڑی تجارتی کمپنی کی بنیاد رکھی جسے ایسٹ انڈیا کمپنی کا نام دیا گیا۔ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۶۰۰ء میں اور ولندیزی ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۶۰۲ء میں قائم ہوئی۔ ان دونوں کمپنیوں نے پرتگالیوں کے مقبوضات پر قدم جمانے اور تسلط حاصل کرنے کی کوششیں کیں۔ یوں یہ تینوں یورپی اقوام اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہیں۔[۸] سترھویں صدی کے اواخر میں فرانسیسی بھی ان میں شامل ہو گئے مگر آخرکار انگریزوں کا پلڑا بھاری رہا اور وہ پورے ہندوستان پر قبضہ کرنے میں کام یاب ہو گئے۔

۶۔ اس لفظ کا درست املا اتائی ہے مگر عوام اسے عطائی بھی لکھتے ہیں: اس کا مادہ سنسکرت لفظ اتم ادھین ہے جس کا مطلب ہے خود پر انحصار کرنے والا۔ اردو میں یہ لفظ بے استادے، شوقیہ فن کار اور غیر مستند معالج کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ شان الحق حقی، **فرہنگِ تلفظ** (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸)، ۹۔

۷۔ سید محمود احمد برکاتی، مرتب و مترجم، **مشاہدات فرنگ۔ اٹھارویں صدی مسیحی میں یورپ کا ایک علمی سفرنامہ** (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، س ن)، ۳۵–۷۰۔

۸۔ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے آغاز و ارتقا کے بارے میں دیکھیے:
H.G. Rawlinson, *British Beginnings in Western India, 1579-1657: An Account of the Early Days of the British Factory of Surat* (Oxford: Clarendon Press, 1920).

مغل عہد میں ہند۔افرنگ روابط کا ارتقا

ہندوستان اور یورپ کی مختلف اقوام کے درمیان ابتدائی روابط اگرچہ زمانۂ قدیم سے موجود تھے مگر ہندوستان میں یورپی اقوام اور ان کے علوم وفنون میں منظم اور نتیجہ خیز دل چسپی لینے کا عمل مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر (۱۵۴۲ء–۱۶۰۶ء) کے عہد سے نمایاں ہوتا ہے اور کم و بیش تمام مغل بادشاہوں کے دور میں اس کے مظاہر نظر آتے ہیں۔ نئی اور اجنبی زبانوں کی تحصیل اور ان کے ذریعے دور دراز بسنے والی اقوام کے علوم وفنون تک رسائی حاصل کرنا اکبر کو خاص طور پر پسند تھا۔ اس نے اپنے کئی اہم امرا اور درباریوں کو یہ زبانیں، جن میں لاطینی اور پرتگالی نمایاں ہیں، سیکھنے اور ان کی تصانیف کے مطالب کو فارسی میں ڈھالنے کا حکم دیا تھا۔ اس دور میں کئی ایسے اشخاص کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے "فرنگی" علوم حاصل کیے یا یورپی زبانوں کی تصانیف کے فارسی تراجم کیے۔

اکبر بین المذاہب ہم آہنگی کا قائل اور داعی تھا اور اس نے اپنے دارالحکومت میں مختلف مذاہب کے نمائندہ افراد کو جمع کر رکھا تھا۔ ۱۵۷۹ء میں اس نے اپنے دربار سے متعلق ایک ارمنی مسیحی (Domingo Pires) کو، جو پرتگالی زبان سے واقف تھا، اپنے سفارتی قافلے کے ہم راہ ترجمان کی حیثیت سے گوا بھیجا تھا اور گوا کے یسوعی (Jesuit) پادریوں کو دربار میں آنے اور اپنے مذہب کے بارے میں گفت گو کرنے، نیز اپنے مذہبی قوانین پر مشتمل کتب ہم راہ لانے کی دعوت دی تھی۔[۹] اس کے دعوت نامے پر گوا سے دو یسوعی پادری لاہور پہنچے اور بادشاہ کے ایما پر ایک مدرسہ قائم کیا جس میں امرا کے بچوں کو لاطینی اور پرتگالی زبانیں سکھائی جاتی تھیں۔[۱۰]

اکبر نے جن امرا کو مغربی زبانیں سیکھنے اور ان کے علوم کو فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا تھا، ان میں اہم ترین شخص اس کا وزیر اعظم ابوالفضل (۱۵۵۱ء– ۱۶۰۲ء) تھا جس نے اکبر کے حکم پر، پادریوں کی مدد سے انجیل مقدس کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ اکبر نے عبدالرحیم خانِ خاناں کو بھی فرنگی زبانیں اور ان کا رسم الخط سیکھنے کی ہدایت کی تھی۔ خان خاناں نے اس ہدایت پر اس خوبی سے عمل کیا کہ اس کی زبان دانی کی تعریف کئی مؤرخوں نے کی ہے۔ **مآثر رحیمی** میں خانِ خاناں کی لسانی مہارت کی کھل کر تعریف کی گئی ہے اور انھیں فارسی، عربی، ترکی اور ہندی کے علاوہ ہندوستان کے ہر علاقے اور شہر کی زبان سے واقف قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح انھیں مسیحیوں کی

۹– اس خط اور سفارت کے جانے اور پادریوں کے آنے کے واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھیے:
Mesrovb Jacob Seth, *Armenians in India: From the Earliest Times to the Present Day* (Calcutta: 1937), 88.

۱۰– **نزهة الخواطر**، **منتخب التاریخ**، بحوالہ سید محمد سلیم، **مغربی زبانوں کے ماہر علما** (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۵ء)، ۳۱۔

زبان سے بھی آشنائی حاصل تھی۔ **مآثرِ رحیمی** میں لکھا ہے:

کیوں کہ ہندوستانی بندرگاہیں مسیحیوں کے تصرف میں ہیں اور ان کی مراسلت ہندوستانی فرماں رواؤں سے ہے، اس لیے اکبر نے ان کو عیسائیوں کی زبان وخط سیکھنے کا حکم دیا۔ آپ نے تھوڑی ہی مدت میں ملنے جلنے سے یہ زبان سیکھ لی۔[۱۱]

اکبر کے درباریوں میں معروف مؤرخ محمد قاسم فرشتہ (۱۵۶۰ء–۱۶۲۰ء) کے فرزند عبد الستار نے بھی پرتگالی اور لاطینی زبانیں سیکھیں اور کئی کتابیں ترجمہ کیں۔ اکبر نے عبد الستار کو یورپی زبانیں سیکھنے اور ان زبانوں کی اہم تصانیف کو فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ عبد الستار نے اس مقصد کے لیے پادری جیروم زیویئر[۱۲] (Jerome Xavier؛ ۱۵۴۹ء–۱۶۱۷ء) کی شاگردی اختیار کی اور لاطینی اور پرتگالی زبانیں سیکھ کر اپنے استاد کی رہ نمائی میں مسیحیت کے عقائد پر مبنی کچھ مذہبی متون کا فارسی ترجمہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ، غالباً زیویئر کے فلسفیانہ مزاج اور ذوق کے زیر اثر، ۱۶۰۳ء میں مغربی فلسفے کے مباحث پر مبنی ایک کتاب **ثمرات الفلاسفة** بھی تصنیف کی جسے **احوال فرنگستان** کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں اس نے نہ صرف سلاطین روم اور حکمائے یونان کا ذکر کیا ہے بلکہ یہ خیال بھی پیش کیا ہے کہ ہندوستانی اور مغربی اقوام کے درمیان اجنبیت اور حجاب کی دو بڑی وجوہ ہیں۔ ایک تو جغرافیائی فاصلہ اور دوسری زبانوں کا اختلاف۔ چوں کہ کوئی ایسا شخص دست یاب نہیں جو فارسی اور یورپی زبانوں کا ماہر ہو اور مترجم کی خدمات سرانجام دے سکے، اس لیے ایک دوسرے کو سمجھنے میں دقت

۱۱– عبد الباقی نہاوندی، **مآثرِ رحیمی**، ترجمہ، سید منصور علی سہروردی، نظر ثانی، شریف حسین قاسمی، حواشی وضمیمہ جات، حسن بیگ (لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۱۸ء)، ۱۷۹۔

۱۲– اسپین سے تعلق رکھنے والا معروف یسوعی مبلغ، جو کئی برس تک شہنشاہ اکبر اور جہاں گیر کے دربار سے وابستہ رہا۔ اسپین میں فلسفے اور الٰہیات کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۵۸۱ء میں تبلیغی مقصد کے لیے گوا آیا۔ ۱۵۹۵ء میں اکبر کی دعوت پر مغل دربار لاہور پہنچا اور اور کئی مہمات میں بادشاہ کے ہم راہ رہا۔ اس کے علاوہ وہ مسیحیت کی تبلیغ اور اکبر سے مذہبی مباحث میں بھی مصروف رہا مگر اکبر یسوع مسیح کی الوہیت کو تسلیم کرنے پر تیار نہ تھا۔ بعد ازاں اس نے اپنی توجہ کا مرکز شہزادہ سلیم کو بنالیا۔ اس کی تبلیغ کے نتیجے میں کچھ ہندوستانیوں نے اپنا مذہب بھی تبدیل کیا۔ ان میں اہم ترین افراد جہاں گیر کے تین بھتیجے تھے جنھوں نے ۱۶۱۰ء میں مسیحیت اختیار کر لی تھی۔ یہ تبدیلی زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوئی اور ۱۶۱۳ء میں ان تینوں نے مسیحیت ترک کر دی اور وہ صلیب، جو زیویئر نے انھیں بخشی تھی، واپس کر دی۔ زیویئر پہلے ہی مسلمانوں کے ''سخت جان مذہبی اعتقاد'' کے باعث مایوسی کا شکار تھا، اس واقعے نے اسے اور بھی بددل کر دیا۔ بالآخر وہ مایوس ہو کر گوا واپس چلا گیا اور وہیں ایک روز پراسرار طور پر اپنے کمرے میں جل کر مر گیا۔ اس کی موت کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:
Edward Maclagan, *The Jesuits and the Great Mogul* (London: Burns Oates and Washbourne, 1932).

ہوتی ہے۔ اس کتاب کے قلمی نسخے برٹش لائبریری، لندن اور مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ میں موجود ہیں۔[۱۳] اس کے علاوہ بھی اس نے زیویئر کی مدد سے دو کتب کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام **داستانِ مسیح** ہے، جو ۱۶۰۲ء میں مکمل ہوئی۔ اس میں حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی حیات بیان کی گئی ہے۔ اس کتاب کا ایک باتصویر نسخہ کتب خانۂ آصفیہ، حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔[۱۴] دوسری کا عنوان **داستانِ احوال حواریان** ہے، اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے حواریوں کی زندگی کے احوال پر مشتمل ہے۔

یسوعی پادریوں نے نورالدین جہاں گیر (۱۵۶۹ء–۱۶۲۷ء) کے عہد میں بادشاہ سے دارالحکومت آگرہ میں ایک گرجا اور کالج قائم کرنے کی درخواست کی جسے منظور کر کے جہاں گیر نے ۱۶۰۹ء میں اس مقصد کے لیے ایک قطعۂ اراضی بھی پادریوں کو دیا۔[۱۵]

جہاں گیر کی تخت نشینی سے پانچ سال قبل انگلستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی وجود میں آچکی تھی۔ اس کمپنی کا بنیادی مقصد ہندوستان سے تجارت کرنا اور چاندی کے بدلے ہندوستانی ریشمی کپڑا، خالص ریشم اور دیگر مصنوعات درآمد کرنا تھا۔ اس سے پہلے تک پرتگالی، ولندیزی اور ڈینز اس تجارت پر قابض تھے۔ اب انگلستان بھی اس دوڑ میں شریک ہونا چاہتا تھا۔

یہی وہ دور ہے جب جنوبی ایشیا اور یورپی اقوام کے درمیان ربط وضبط کا باقاعدہ آغاز ہوا اور نہ صرف یورپی باشندے ہندوستان کے ساحلی علاقوں سے ہوتے ہوئے اندرونِ ملک کے بڑے بڑے شہروں——مثلاً لاہور—— تک پہنچے، بلکہ ہندوستان سے بھی کئی افراد مختلف حیثیتوں میں دیارِ فرنگ تک پہنچے اور واپس آکر دوسروں کو اپنے تجربات میں شریک کیا۔

جنوب ایشیائی دانش وروں پر یورپی اثرات

جہاں گیر کے زمانے سے مغل دربار میں انگلستان کے سفیروں کی آمد و رفت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ۲۴/اگست، ۱۶۰۸ء کو گجرات کی بندرگاہ سورت پر برطانیہ کی ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا جہاز "ہیکٹر" (Hector)

۱۳– تفصیل کے لیے دیکھیے:

Gulfishan Khan, *The Indian Muslims' Perception of the West During the Eighteenth Century* (Karachi: Oxford University Press, 1998), 40, 66.

۱۴– سلیم، **مغربی زبانوں کے ماہر علما**، ۳۳۔

۱۵– نفس مرجع، ۳۴۔

لنگر انداز ہوا۔ اس جہاز میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا سفارتی قافلہ سوار تھا جس کی قیادت ولیم ہاکنز(William Hawkins؛ ۱۵۶۰ء–۱۶۱۳ء)(۱۶) کے ہاتھ میں تھی۔ وہ سولہ ماہ کا سمندری سفر طے کر کے مغل بادشاہ اکبر کے نام شاہِ انگلستان جیمز اول(James I؛ ۱۵۶۶ء– ۱۶۲۵ء) کا خط لے کر ہندوستان پہنچا تھا۔ اکبر اس سے تین سال پہلے انتقال کر چکا تھا اور اس کا بیٹا جہاں گیر تخت نشین تھا۔ جہاں گیر نے اپنے باپ سے وراثت میں ذوقِ علم و جستجو پایا تھا اور اکبر کی طرح وہ بھی پرتگالیوں سمیت دیگر اقوام کے معاملے میں رواداری اور ہم آہنگی کا قائل تھا۔

ولیم ہاکنز نے سورت سے آگرہ تک کے سفر کی صعوبتوں، پرتگالیوں کی رقابت اور عداوت اور مقرب خان کی بد سلوکی، نیز مغل دربار میں باریابی اور اپنی سفارتی کوششوں کا حال نہایت تفصیل سے اپنے روزنامچے میں لکھا ہے۔ یہ روزنامچہ سیموئل پرچیز(Samuel Purchas؛ ۱۵۷۷ء–۱۶۲۶ء) کی مرتبہ کتاب *Hakluytus Posthumus or, Purchas his Pilgrimes* (اشاعت اول: ۱۶۲۶ء) کی تیسری جلد میں شائع ہو چکا ہے۔(۱۷) اس کے علاوہ اس نے کمپنی کے ڈائریکٹروں کی خدمت میں ایک مفصل رپورٹ بھی ارسال کی تھی جس میں جہاں گیر کے عہد کی سیاسی و سماجی اور بالخصوص اقتصادی و عسکری صورت حال کا مفصل بیان ملتا ہے۔ یہ رپورٹ ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، کیوں کہ اس میں ہندوستان کی دولت و ثروت اور خوش حالی، بادشاہ کی انصاف پسندی، رعیت پروری اور مملکت کے انتظام و انصرام کی معروضی شہادت ملتی ہے۔ غالباً یہ اور اس سے ملتی جلتی دوسری رپورٹیں ہی تھیں جنھوں نے یورپیوں کے دل میں ہندوستان کے سونے کی چڑیا ہونے کا تاثر پیدا کیا تھا۔

۱۶– ولیم ہاکنز کے سن پیدائش کے بارے میں مستند معلومات حاصل نہیں ہوئیں۔ مائیکل فشر(Michael H. Fisher)نے اس کی ممکنہ تاریخ پیدائش ۱۶۸۳ء لکھی ہے۔ (Michael Fisher, *Counterflows to Colonialism* (Delhi: Permanent Black, 2004), 23) وکی پیڈیا پر ۱۶۲۰ء کو ہاکنز کا سنہ پیدائش قرار دیا گیا ہے۔ اگر فشر کی بیان کردہ تاریخ درست تصور کی جائے تو ہندوستان پہنچتے ہوئے اس کی عمر چوبیس یا پچیس برس ہو گی۔ اگر ۱۶۲۰ء کو درست سنہ پیدائش مانا جائے تو وہ اس وقت سینتالیس یا اڑتالیس برس کا ہو گا۔ دوسری بات زیادہ قرین قیاس لگتی ہے کیوں کہ ہندوستان آنے سے پہلے وہ کم از کم ویسٹ انڈیز کی سیاحت کر چکا تھا اور ترکی زبان روانی سے بولتا تھا۔ اسی بنا پر جہاں گیر کے دربار میں اس نے ایک ماہر سفارت کار کا کردار ادا کیا تھا۔

۱۷– اس کے علاوہ بھی یہ سفر نامہ کئی کتابوں میں شامل ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے:

William Hawkins, "West and North India, 1608-13," in *Visions of Mughal India: An Anthology of European Travel Writing*, ed. Michael H. Fisher (London/New York: I. B. Tauris, 2007), 59- 75.

اس رپورٹ کا اصل نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے لیکن آتش زدگی کے باعث اس کی حالت کافی مخدوش ہو چکی ہے۔[١٨]

جیمز اول نے جہاں گیر کے نام اپنے خط میں اسے دوستی اور محبت کا پیغام بھیجا تھا، اس کی حکومت، عمر اور سلطنت کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کیا تھا اور اس سے ساحلی علاقوں میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ جیمز اول کے اس خط کا تذکرہ کئی معاصر تصانیف میں ملتا ہے؛ مثلاً اسی عہد میں ہاکنز کے بعد مغل دربار میں بہ طور سفیر پیش ہونے والے سر تھامس رو (Sir Thomas Roe؛ ١٥٨١ء– ١٦٤٤ء)[١٩] کے روزناچے میں ہاکنز کے آگرہ آنے اور جیمز اول کا خط پہنچانے کا ذکر کیا گیا ہے۔[٢٠]

ولیم ہاکنز نے پرتگالیوں کے مقابلے پر جہاں گیر سے برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے تجارت اور سورت میں تجارتی کوٹھی قائم کرنے کا اجازت نامہ حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کی اور اس کے بہ قول جہاں گیر نے کئی مرتبہ قائل ہو کر اجازت دینے کا وعدہ بھی کر لیا لیکن بعض درباری امرا کے سمجھانے اور نتائج کا احساس دلانے پر اس نے ہمیشہ اپنے درباریوں کی بات مانی۔ آخر کار ہاکنز کو ناکام لوٹنا پڑا۔ اس ناکامی کے بعد کمپنی کی درخواست پر جیمز اول نے ایک اور شاہی سفیر سر تھامس رو کو ہندوستان روانہ کیا۔ سر تھامس رو ہاکنز کے مقابلے میں زیادہ اہم مقام و مرتبے کے حامل تھے اور کئی سلطنتوں میں سفیر رہ چکے تھے مگر وہ فارسی یا ترکی سے بالکل نابلد تھے۔ انھیں اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے ترجمان کی ضرورت رہتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ فریقِ مخالف کی بات سمجھنے کے لیے بھی ترجمان پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہندوستان کے مغل دربار اور یہاں کے سماج کے بارے میں درست اندازے لگانے سے قاصر رہے۔ کچھ ان کے مزاج میں رعونت اور خود پسندی بھی تھی؛ یہی وجہ ہے کہ ان کا روزنامچہ کئی غلط فہمیوں اور ناقص معلومات پر مشتمل ہے۔

تاہم یہ بات یقینی ہے کہ ان یورپی افراد سے تعامل کے نتیجے میں ہندوستان میں مغربی اقوام کے بارے

١٨– برٹش میوزیم، MS., Otho E.viii.۔ تاہم اس مسودے کی بنیاد پر اس رسالے کے مکمل مطبوعہ متن کے لیے دیکھیے: William Foster, ed., *Early Travels in India, 1583-1619* (London et.al: Oxford University Press, 1921), 61- 120.

١٩– تھامس رو ہندوستان کے مغل دربار میں انگلستان کے سفیر اور نمائندے کی حیثیت سے آیا تھا۔ ہندوستان کے علاوہ وہ سلطنت عثمانیہ اور سلطنت روم میں بھی سفارتی ذمہ داریاں ادا کرتا رہا۔ انگلستان کے ہاؤس اوف کامنز (دارالعوام) کا رکن بھی رہا۔ ہندوستان میں اس کے سفر اور سفارتی ذمہ داریوں کے بیان پر مشتمل تفاصیل کئی تاریخی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔

20– William Foster, ed., *The Embassy of Sir Thomas Roe to India, 1615-19* (London: Oxford University Press, 1926), 391.

میں دل چسپی اور شناسائی بڑھ رہی تھی۔ مثال کے طور پر مغل بادشاہوں شاہ جہاں (۱۵۹۲ء–۱۶۶۶ء) اور عالم گیر (۱۶۱۸ء–۱۷۰۷ء) کے درباروں سے تعلق رکھنے والے ایک امیر، دانش مند خان،(۲۱) کے بارے میں بعض مآخذ میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مغربی علوم میں خاص دل چسپی رکھتا تھا اور علم جغرافیہ، علم نجوم اور علم الابدان سے واقف تھا۔ وہ کچھ معروف فرانسیسی مفکروں، مثلاً رینے ڈیکارٹ (Rene Descartes؛ ۱۵۹۶ء–۱۶۵۰ء) اور انگریز طبیب ولیم ہاروے (William Harvey؛ ۱۵۷۸ء–۱۶۵۷ء) کے نام اور کام سے واقف تھا اور ولیم ہاروے کے گردشِ خون کے نظریے کا بھی علم رکھتا تھا۔ معروف فرانسیسی طبیب اور سیاح فرانسوا برنئیر(۲۲) (Francois Bernier؛ ۱۶۲۰ء–۱۶۸۸ء) نے لکھا ہے کہ اس نے یہ معلومات دانش مند خان کے لیے ترجمہ کی تھیں۔(۲۳)

عہد عالم گیری میں دکن کے دیوان اور امیر محمد قباد بیگ نے یورپ کا سفر کیا تھا اور یونانی و لاطینی علوم حاصل کیے تھے۔ مؤرخ اور سیاح ابوطالب لندنی (۱۷۵۲ء–۱۸۰۶ء) نے اپنے تذکرے **خلاصۃ الافکار**(۲۴) میں مرزا محمد بخش آشوب کے تذکرے کے تحت اس کا ذکر کیا ہے، کیوں کہ وہ آشوب کے نانا تھے۔ اس کے علاوہ بھی

۲۱– **مآثر الامراء** کے بیان کے مطابق دانش مند خان کا اصل نام ملا شفیعائی یزدی تھا۔ عرصہ دراز تک ایران میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہندوستان آیا تو اس کے علم و فضل کا چرچا شاہ جہان تک پہنچا جس نے اسے دربار میں بلا بھیجا اور ہزاری ذات اور سو سوار کے منصب پر فائز کیا۔ بعد میں ترقی پا کر بخشی دوم مقرر ہوا اور دانش مند خان کا خطاب ملا۔ اس کے بعد بخشی اور تین ہزار ذات اور آٹھ سو سوار کا منصب ملا۔ عالم گیر کے عہد میں کئی مناصب پر ترقی پانے کے بعد میر بخشی کے عہدے تک پہنچا۔ اپنے زمانے کے اکابر علما و فضلا میں شمار کیا جاتا تھا۔ تاہم **مآثر الامراء** نے اس عام خیال کی تردید کی ہے کہ عمر کے آخری زمانے میں وہ اہل فرنگ کے علوم کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ صمصام الدولہ شاہنواز خان، **مآثر الامراء، ترجمہ**، محمد ایوب قادری (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۹ء)، ۲۹– ۳۱۔

۲۲– فرانسوا برنئیر شاہ جہاں کے بیٹے شہزادہ دارا شکوہ (۱۶۱۵ء–۱۶۵۹ء) کا طبیب خاص تھا۔ بعد میں عالم گیر کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ کئی کتابوں کا مصنف اور مترجم تھا۔ ہندوستان کے سیر و سفر اور تجربات و مشاہدات پر مبنی اس کی کتاب *Travels in the Mughal Empire* میں دارا شکوہ اور اورنگ زیب عالم گیر کے عہد کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

23– Francois Bernier, *Travels in the Mughal Empire A.D. 1656-1688*, trans. Archibald Constable (London et.al: Oxford University Press, 1916), 61-155.

۲۴– مرزا ابوطالب اصفہانی، جو اپنی سیر لندن کے باعث لندنی بھی کہلاتے تھے، لکھنؤ سے تعلق رکھنے والے ایک اعلیٰ عہدے دار اور ایرانی النسل عالم، شاعر اور ادیب تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان میں معروف ترین کتاب ان کے سفر یورپ کا سفر نامہ **مسیر طالبی** ہے۔ **خلاصۃ الافکار** کے عنوان سے انھوں نے شعرا کا ایک تذکرہ ترتیب دیا تھا جس میں ۴۹۲ شعرا کا احوال درج ہے۔ یہ تذکرہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اس کے قلمی نسخے ہندوستان، ایران اور انگلستان کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

چند معاصر مآخذ میں یہ حوالہ موجود ہے۔(۲۵) دانش مند خان کی طرح قباد بیگ کی کسی باقاعدہ تصنیف کا حوالہ بھی دست یاب نہیں، لیکن اس کے سفر کے تاثرات اور تجربات بھی معاصر عہد پر کسی نہ کسی حد تک ضرور اثرانداز ہوئے ہوں گے۔

جنوب ایشیائی مسلمانوں کی غرب شناسی: ابتدائی آثار

مسلمانوں کی علمی و ادبی روایت میں سیر و سفر اور سفر نامہ نگاری آغاز ہی سے شامل رہی ہے۔ ڈاکٹر قدسیہ قریشی نے اپنی کتاب میں دس مسلمان سیاحوں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے نویں صدی عیسوی (تیسری صدی ہجری) سے لے کر سولھویں صدی عیسوی تک کے عرصے میں ہندوستان کا سفر کیا اور سفر نامے بھی لکھے۔(۲۶) برنارڈ لیوس (Bernard Lewis: ۱۹۱۶ء–۲۰۱۸ء) نے بھی کئی عثمانی ترکوں اور عربوں کے سفر ناموں اور دیگر ایسی تحریروں کا تذکرہ کیا ہے جن میں انھوں نے یورپی ممالک کے بارے میں اپنے خیالات و تجربات بیان کیے ہیں۔(۲۷)

ہندوستانی مسلمان بھی اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ اپنے ہم وطن ہندوؤں کی طرح وہ سمندر پار جانے کو دھرم بھرشٹ ہونے کا باعث نہیں سمجھتے تھے۔ مذہبی رسومات مثلاً حج یا عمرہ ادا کرنے اور حصول علم کے لیے دور دراز کا سفر اختیار کرنا مسلمانوں کے دین اور اعتقاد کا حصہ ہے اور ہر دور میں انھوں نے ان دونوں مقاصد کے لیے سفر اختیار کیے ہیں۔ ان کے علاوہ تجارت اور سفارت بھی ایسے مقاصد تھے جن کے تحت دور دراز کے سفر پر نکلا جاتا تھا۔ لہٰذا ہندوستانی مسلمانوں کی ایسی کئی تصانیف کا نشان مل جاتا ہے جو مختلف علاقوں کے سیر و سفر کے حالات و واقعات پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے چند ایک تو طبع و ترجمہ ہو چکی ہیں مگر بیش تر قلمی نسخوں کی صورت میں یا تو ہندوستان کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں یا یورپی ممالک بالخصوص انگلستان، جرمنی، فرانس اور ہالینڈ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر برٹش لائبریری لندن میں عبد الکریم قاضی بن محمود قاضی بن نور

۲۵– تفصیل کے لیے دیکھیے:

Khan, *Indian Muslims' Perception of the West*, 66-67; A.F.M. Abdul Qadir, "Early Muslim Visitors of Europe from India," in *Proceedings and Transactions of the Sixth All-India Oriental Conference, Patna, December 1930* (Patna: The Bihar and Orissa Research Society, 1933), 83-96؛ A.J. Qaiser, *The Indian Response to European Technology and Culture (A.D. 1498-1707)* (Delhi: Oxford University Press, 1982).

۲۶– قدسیہ قریشی، **اردو سفر نامے انیسویں صدی میں** (دہلی: مکتبۂ جامعہ، ۱۹۸۷ء)، ۳۳– ۳۹۔

27– Bernard Lewis, *The Muslim Discovery of Europe* (New York: W.W. Norton & Company, 2001), 135-170.

الدین محمد قاضی، الملقب بہ قاضی اختیار کی ایک تصنیف، **عوالم الأسرار في غرائب الأسفار** کا قلمی نسخہ موجود ہے جس میں ماوراء النہر، خراسان اور کابل کے سفر کی دل چسپ روداد بیان کی گئی ہے۔ اس نسخے کی تصنیف کا آغاز ۱۰۰۹ہجری (۱۶۰۰ء/۰۱ء) میں کیا گیا تھا اور اس میں ان تمام معروف افراد، شیوخ اور شعرا کا تذکرہ ملتا ہے جو اس وقت بخارا میں موجود تھے۔[۲۸]

ہندوستانی مسلمانوں نے دیارِ مغرب کی طرف سفر کرنے کا آغاز سولھویں صدی کے اوائل ہی سے کر دیا تھا، لیکن ہندوستانی مؤرخین اور اہلِ علم نے یورپ کے بارے میں اپنی بنیادی معلومات کا اظہار سولھویں صدی کے اواخر میں کرنا شروع کیا۔ یہ معلومات زیادہ تر ثانوی ذرائع سے حاصل شدہ اور ادھوری یا ناکافی تھیں لیکن ہندوستان میں یورپی اقوام کے بارے میں ایک ابتدائی تصور ضرور قائم کرتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی اثرات قبول کرنے سے پہلے تک ہندوستان میں لکھے جانے والے سفرناموں کی نوعیت اور ہیئت مختلف تھی۔ اولین ادوار میں جو کتب تصنیف کی گئی تھیں، ان کے مصنف عام طور پر تاریخی اور جغرافیائی حقائق پیش کرنے میں زیادہ دل چسپی رکھتے تھے۔ انھی تاریخی و جغرافیائی حقائق کے ذیل میں سماجی و معاشرتی حالات کا بالواسطہ بیان بھی مل جاتا ہے اور سفر کے احوال بھی۔ اسی طرح سوانحی حالات اور تذکرے لکھتے ہوئے کسی سفر کا حال بھی بیان کر دیا جاتا تھا۔ برٹش لائبریری میں ایسے کئی قلمی نسخے موجود ہیں جن میں دیگر معلومات کے علاوہ سفرنامے کا رنگ بھی ملتا ہے۔

یورپی اقوام کے بارے میں تجربات و مشاہدات پر مبنی، اوّلین اور زمانی اعتبار سے قدیم ترین کتاب **تحفة المجاہدین** ہے جو شیخ زین الدین مالاباری (وفات ۱۵۸۳ء) کی تصنیف ہے۔ یہ سفرنامہ تو نہیں، مگر اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس کے مصنف کا کسی یورپی قوم سے براہِ راست رابطہ رہا تھا اور یہ ان کے ذاتی مشاہدات و تصورات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہ رابطہ صرف ایک ہی یورپی قوم، یعنی پرتگالیوں تک محدود تھا لیکن ان کے بیان کے ذیل میں وہ دیگر یورپی اقوام کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ شیخ زین الدین کا تعلق پرتگالی عہد کے مالابار سے تھا۔ انھوں نے مالابار میں پرتگالیوں کی چیرہ دستیوں اور ان کے خلاف ہونے والی مقامی مزاحمت کا حال اپنی کتاب میں بیان کیا ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہندوستانی مسلمانوں کا کسی یورپی قوم کے بارے میں پہلا تحریری تاثر ہے۔ بدقسمتی سے یہ تاثر پرتگالیوں کی پُرتشدد کارروائیوں اور مظالم کے باعث منفی ردعمل کا شکار ہے۔ اس کتاب میں پہلے انھوں نے مالابار میں اسلام کی آمد اور اسلامی عہد کی تاریخ بیان کی ہے۔ اس کے بعد پرتگالیوں کی آمد اور مقامی حکم رانوں سے

۲۸- ہرمن ایتھ (Hermann Ethe)، *Catalogue of Persian Manuscripts in the India Office Library*، جلد اول، کالم نمبر ۱۴۷۸، اندراج نمبر ۲۷۲۳۔

ان کی عداوت و مخالفت کا بیان ہے۔ مصنف نے بیان کیا ہے کہ پرتگالیوں کی آمد کا ابتدائی مقصد تو تجارت ہی تھا مگر جلد ہی انھوں نے طاقت حاصل کر کے زبردستی مقامی افراد کو تبدیلی مذہب پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ مسیحیت قبول کرنے والے مقامی افراد کے لیے ترقی و خوش حالی کے در کھل جاتے؛ جب کہ اپنے مذہب پر قائم رہنے والے افراد کو جان، مال اور ناموس سے ہاتھ دھونا پڑتے۔ دیگر مذاہب کی نسبت زیادہ تر مسلمان اپنے اعتقاد کے پکے تھے، اس لیے انھیں خاص طور پر پرتگالی حکم رانوں کے انتقام اور جور و جبر کا نشانہ بننا پڑا۔ ۱۵۰۹ء میں پرتگالیوں نے کالی کٹ کی جامع مسجد مسمار کر دی۔ اس کے بعد کوچین کی مسجد بھی گرا ڈالی اور اس کی جگہ ایک گرجا گھر تعمیر کر لیا۔ آہستہ آہستہ ان کی طاقت میں اتنا اضافہ ہو گیا کہ انھوں نے حج کے لیے حجاز لے جانے والے بحری جہازوں کو لوٹنا اور روکنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ بحری جہازوں کے اس علاقے سے گزرنے کے لیے پرتگالیوں سے اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری ہو گیا جس کی وہ بھاری قیمت وصول کرتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مقامی مسلمانوں کے دل میں پرتگالیوں کے خلاف نفرت اور ناپسندیدگی کے جذبات پیدا ہو گئے اور وہ تادیر یورپی اقوام کو دوست سمجھنے سے گریزاں رہے۔ اس کتاب کا عربی متن اور انگریزی ترجمہ دونوں شائع ہو چکے ہیں۔[۲۹]

سترھویں صدی کے آغاز ہی میں ایک اور کتاب، جو "فرنگیوں" کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہے، عبد الستار کی **ثمرات الفلاسفة یا احوال فرنگستان** (۱۶۰۳ء) ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اسی دور میں ایک اور کتاب **روضة الطاهرين** بھی اس موضوع پر کچھ معلومات پیش کرتی ہے۔ یہ بنگال سے تعلق رکھنے والے طاہر محمد سبزواری کی تصنیف ہے جو مغل دربار کی جانب سے ایک سفارتی قافلے کا حصہ بن کر گوا گئے تھے۔ اگرچہ اس کتاب میں یورپی اقوام کے بارے میں کچھ خاص معلومات نہیں ملتیں مگر یورپ کی تاریخ کے بارے میں جزوی معلومات ضرور مل جاتی ہیں۔ اس کتاب کے قلمی نسخے بوڈلیئن لائبریری، اوکسفرڈ اور برٹش لائبریری، لندن میں محفوظ ہیں۔[۳۰] ایلیٹ (H.M. Elliot) اور ڈاؤسن (John Dowson) نے اس کتاب کا خلاصہ، جسے مظفر

۲۹۔ شیخ زین الدین مالاباری، **تحفة المجاہدین**، مرتب، حکیم سید شمس اللہ قادری (حیدر آباد: ہسٹوریکل سوسائٹی اوف حیدر آباد، س ن)؛

M.J. Rowlandson, trans. *Tohfut-ul-Mujahideen: An Historical Work in the Arabic Language* (London: The Oriental Translation Fund of Great Britian and Ireland, 1833).

۳۰۔ طاہر محمد سبزواری، **روضة الطاہرین**۔ مخطوطات ایلیٹ (Ms. Elliot)، ۳۱۴، بوڈلیئن لائبریری، اوکسفرڈ؛ مخطوطاتِ شرقی (Ms. Or.) ۱۶۸، برٹش لائبریری، لندن۔

عالم نے کسی حد تک گم راہ کن قرار دیا ہے،[۳۱] اپنی تاریخ میں پیش کیا ہے۔[۳۲] سنجے سبرامنیم نے بھی اس کتاب کا ذکر اپنے ایک مقالے میں کیا ہے۔[۳۳]

حیرت کی بات ہے کہ اس کے علاوہ سترھویں صدی کی کوئی اور تصنیف ابھی تک منظر عام پر نہیں آئی۔ عین ممکن ہے کہ ایسی کچھ اور تصانیف ہنوز کسی کتب خانے کے ذخیرۂ مخطوطات میں محفوظ، اس امر کی منتظر ہوں کہ کوئی محقق انھیں گوشۂ گم نامی سے نکال کر منظر عام پر لے آئے۔ دست یاب شواہد کے مطابق اس نوع کی تصانیف کا سلسلہ اٹھارویں صدی میں نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ گل فشاں خان نے ایسی ہی ایک فارسی کتاب کے قلمی نسخے کا تعارف کروایا ہے[۳۴] جس کا نام **عجائب البلدان** ہے اور جو ۱۷۳۰ء میں محمد شاہ (۱۷۰۲ء–۱۷۴۸ء) کے عہد کے ایک مؤرخ اور دانش ور محمد شفیع وارد[۳۵] نے تصنیف کی ہے۔ اس میں تاریخی وجغرافیائی معلومات کے علاوہ بعض عجیب وغریب کہانیاں بھی بیان کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر پرتگال میں ایک ایسے غار کی موجودگی کا بیان ہے جس میں ایک جن رہتا تھا۔ لوگ سات سات آٹھ آٹھ افراد کے گروہ کی صورت میں اس جن سے سحر و جادو سیکھنے کے لیے غار میں جاتے تھے اور پھر ہر طرح کے معجزے دکھانے پر قادر ہو جاتے تھے۔ مصنف کے مطابق جب تک ''بادشاہ مغرب'' نے پرتگالیوں کو شکست فاش نہیں دے دی، یہ سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد بند ہو گیا۔ اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ہندوستان کے جنوبی ساحل پر یورپی آبادیوں، بالخصوص پرتگالیوں کی موجودگی سے واقف تھا لیکن اسے یہ غلط فہمی تھی کہ وہ بھی دیگر ہندوستانی اقوام کی طرح مغل بادشاہ کی رعایا ہیں۔ مصنف نے پرتگالیوں کی جہاز رانی اور علم تفنگ اندازی میں مہارت اور بحری جنگ میں ان کے غلبہ و تسلط کا اعتراف

31– Muzaffar Alam and Sanjay Subrahmanyam, *Indo-Persian Travels in the Age of Discoveries, 1400-1800* (Cambridge: Cambridge University Press, 2007), 244.

32– H.M. Elliot and John Dowson, *The History of India as Told by its Own Historians: The Muhammadan Period* (London: 1827, Reprint Delhi: 1990), 6: 195-201.

33– Sanjay Subrahmanyam, "Taking Stock of the Franks: South Asian Views of Europeans and Europe, 1500-1800", *The Indian Economic and Social History Review* 42, no. 1(2005): 69-100.

۳۴– یہ نسخہ بوڈلئین لائبریری میں موجود ہے۔ Bodl. Per. MS Ousley 213۔

۳۵– محمد شفیع اپنے زمانے کا معروف مؤرخ اور مصنف تھا اور اس نے اس کے علاوہ بھی ایک کتاب **مراۃ واردات** تصنیف کی تھی جو اٹھارویں صدی کی پہلی تین دہائیوں کی سماجی، سیاسی اور معاشی صورت حال پر روشنی ڈالتی ہے۔
Khan, *Indian Muslims' Perception of the West*, 44.

کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ زمینی جنگ جیتنا ان کے بس کی بات نہیں اور اگر کوئی ایسا موقع آئے تو ایک سو مالاباری مسلمان دس ہزار پرتگالیوں پر غالب آ سکتے ہیں۔ نیز اس کا خیال ہے کہ پرتگالیوں کو دیگر یورپی اقوام مچھیرے سمجھتی ہیں کیوں کہ وہ مچھلیاں پکڑنے اور بیچنے کا کام کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ کیسے پرتگالیوں نے شاہ دکن کو قیمتی تحائف بہ طور نذرانہ پیش کر کے اس کے علاقے میں اپنی حیثیت کو مستحکم کر لیا اور ان جزیروں پر قابض ہو گئے جو پہلے ہندوستان کا حصہ تھے۔

دیگر یورپی اقوام کے بارے میں بھی محمد شفیع کی معلومات محدود اور ناقص ہیں۔ اس کے خیال میں "فرنگستان" کے تمام تر علاقے پر کل سولہ بادشاہوں کی حکومت ہے لیکن یہ تمام بادشاہ پاپائے روم کے زیر اثر ہیں اور ان کی منشا کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ پوپ انھیں بادشاہی کے عہدے پر مقرر کرنے یا اس سے محروم کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور وہ سب اس حد تک پوپ کے "زر خرید غلام" ہیں کہ اگر پوپ چاہے تو عوام الناس میں سے کسی کو بھی بادشاہ مقرر کر دے۔ وہ رومن سلطنت کے بارے میں بھی اپنے علم کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سلطنت پاپائے روم کے مقام قیام سے قریب واقع ہے اور شان و شوکت میں چینی بادشاہوں کا مقابلہ کرتی ہے۔ ہنگری کے حکم ران کے علاوہ باقی سب حکم ران اس سلطنت کے باج گزار ہیں۔ یورپ کی تمام اقوام نسطوری کہلاتی ہیں اور نسطوری اور نصاریٰ ہم معنی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ چاندی جیسی قیمتی دھات، جو پوری دنیا میں مقبول ہے، اٹلی سے نکلتی ہے لیکن مسلمان اٹلی کا سفر نہیں کرتے بلکہ سونے چاندی جیسی قیمتی دھاتیں تاجروں کے ذریعے ان تک پہنچ جاتی ہیں۔ وہ عثمانیوں اور یورپی اقوام کے درمیان تعلقات کو بھی یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک زمانے میں ہنگری، ویانا اور کئی دوست یورپی علاقے عثمانیوں کے زیر تسلط رہے تھے۔[۳۶]

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اسی نام سے ایک کتاب پندرھویں صدی میں عربی میں بھی لکھی گئی تھی جس کا مختصر نام بھی **عجائب البلدان** ہے اور مکمل نام **خریدة العجائب و فریدة الغرائب** ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ پرنسٹن یونی ورسٹی، امریکہ کے کتب خانے میں موجود ہے جس کی تدوین و ترتیب جامعہ عین شمس سے تعلق رکھنے والے محقق انور محمود زناتی نے کی ہے۔[۳۷] اس کے مصنف سراج الدین ابن الوردی (وفات ۸۵۲ھ /

۳۶۔ محمد شفیع وارد، **عجائب البلدان**، قلمی نسخہ، ذخیرۂ آؤسلی (Pers. MS. Ousley 213)، ۲۱۳، بحوالہ گل فشاں خان، ۴۲۔ ۴۴، ۶۸۔

۳۷۔ مکمل متن کے لیے دیکھیے: https://docs.google.com/viewerng/viewer?url=http://dr-faisal-library.pub.sa/wp-content/upload22/pdf/1314172363.pdf (تاریخ ملاحظہ: ۸/اکتوبر، ۲۰۱۸ء، ۲:۳۰ بجے دن۔)

۱۴۴۷ء) [۳۸] ہیں۔ یہ کتاب بنیادی طور پر مختلف ممالک اور علاقوں کی تاریخ اور جغرافیے سے **متعلق معلومات** پر مبنی ہے۔ عنوان اور کچھ مندرجات کی بنا پر گمان ہوتا ہے کہ ممکن ہے محمد شفیع نے اس کتاب سے بھی استفادہ کیا ہو۔

عہد محمد شاہی کی دو اور تصانیف کا تعارف مظفر عالم اور سنجے سبرامنیم نے بھی اپنی وقیع کتاب *Indo-Persian Travel in the Age of Discoveries, 1400-1800* میں کروایا ہے۔ ان میں سے پہلی کتاب خواجہ عبد الکریم کی **بیان واقعی** ہے، اور دوسری خواجہ عبد القادر کی **وقائع منازل روم**۔ یہ دونوں کتابیں بنیادی طور پر مغربی ایشیائی ممالک کے سفر پر مشتمل ہیں۔ مصنفین کی رائے میں انھیں سفر نامہ نگاری یا وقائع نگاری کے قدیم انداز کی کتب قرار دیا جاسکتا ہے جو مغربی اثرات سے پاک تھیں۔[۳۹]

خواجہ عبد الکریم کی کتاب کا قلمی نسخہ راقم الحروف نے بوڈلیئن لائبریری، اوکسفرڈ میں دیکھا تھا۔[۴۰] اس کتاب کا انگریزی ترجمہ تلخیص کی صورت میں کلکتہ سے شائع ہو چکا ہے۔[۴۱] ترجمے کے سرورق پر خواجہ عبد الکریم کو کشمیری النسل لکھا گیا ہے۔ مظفر عالم اور سنجے سبرامنیم نے کتاب کے ان حصوں کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا ذکر انگریزی تلخیص میں نہیں ملتا۔[۴۲] اس کتاب کا مصنف شاہجہان آباد سے تعلق رکھتا تھا اور نادر شاہ کے دہلی پر حملے (۱۷۳۹ء) کے بعد وہ نادر شاہ کے ہم راہ ایران چلا گیا تھا۔ ایران سے وہ بغداد، دمشق، حلب اور مکہ اور مدینہ سے ہوتا ہوا بنگال آیا۔ اس نے ان تمام منازل کے احوال اپنی کتاب میں رقم کیے ہیں۔

دوسری کتاب کے ذکر سے پہلے چند اور کتابوں کا تذکرہ ضروری ہے جو اس سے پیش تر لکھی گئی تھیں۔ برٹش لائبریری میں ایک مختصر رسالے کا قلمی نسخہ موجود ہے جس میں شاہجہان آباد سے مکتسر تک کے تیرہ روزہ سفر

۳۸– ان کا سن وفات انور محمود زناتی نے ۱۴۵۷ء لکھا ہے جب کہ ایک ویب گاہ پر ۱۴۴۷ء بھی لکھا گیا ہے۔ دیکھیے:
https://sijjada-bakria.com/en/blog/2017/05/28/siraj-al-din-ibn-al-wardi-grandson/
(تاریخ ملاحظہ: ۱۸ اکتوبر، ۲۰۱۸، ۲:۳۰ بجے دن۔)

39– Alam and Subrahmanyam, *Indo-Persian Travels in the Age of Discoveries*, 245.

۴۰– فارسی مخطوطات، ذخیرہ آؤسلی (Pers. MS. Ousley) نمبر ۲۷۶۔ بوڈلیئن لائبریری اوکسفرڈ.

41– Francis Gladwin, trans., *The Memoirs of Khojeh Abdulkurreem* (Calcutta: 1788).
یہ مکمل کتاب درج ذیل لنک پر بھی دست یاب ہے:
https://archive.org/details/in.ernet.dli.2015.70338/page/n3

42– Alam and Subrahmanyam, *Indo-Persian Travels in the Age of Discoveries*, 244-252.

کی مہمات بیان کی گئی ہیں۔ سفر کا آغاز ۳ ر ذی قعد، ۱۱۵۶ ہجری (۱۹ ر دسمبر ۱۷۴۳ء) کو کیا گیا تھا۔ رسالے پر مصنف کا نام ہے نہ کوئی سر ورق۔ البتہ اندر کے ورق پر یہ الفاظ لکھے ہیں: "وقایہ (وقائع) سیر گنگا سرکار نواب صاحب **ممتاز الدولہ مفخر الملک**، حسام جنگ مسٹر رچاڈ جانسن صاحب بہادر دام اقبالہ۔"

اسی ورق پر ایک مہر بھی ثبت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ کسی عباد اللہ کی ملکیت تھا۔ اس کے ساتھ ۱۱۸۸ ہجری (۱۷۷۴ء / ۷۵ء) کی تاریخ بھی درج ہے۔ (۴۳)

ایسا ہی ایک سفر نامہ آنند رام مخلصؔ (۴۴) کا ہے جو ۱۱۵۸ ہجری (۱۷۴۵ء) میں مکمل کیا گیا۔ یہ ایک طویل سفر نامہ ہے جو ۱۱۸۷ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس سفر نامے میں ایک فوجی مہم کا حال بیان کیا گیا ہے اور ضمنی طور پر ہندوستان کی تاریخ اور سماجی منظر نامے کا بیان بھی ملتا ہے۔ سفر نامے کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے دوران سفر ہی اسے لکھنے کا آغاز کر دیا تھا۔ اس فارسی سفر نامے کا اردو ترجمہ سعود الحسن خان نے کیا ہے۔ (۴۵)

خزانۂ عامرہ، **سرو آزاد** اور **مآثر الکرام** جیسی معروف کتب کے مصنف غلام علی آزاد الحسینی (۴۶) کی ایک اور کتاب **روضہ الاولیا**، ہے جو ۱۱۶۶ ہجری (۱۷۵۳ء) میں تصنیف ہوئی۔ اس کتاب میں اورنگ آباد کے دس صوفیہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ کتاب کے آخر میں مصنف کی سوانح اور اس کے سفر حج کے احوال بھی بیان کیے گیے ہیں۔ یہ سفر انھوں نے ۱۱۵۰ھ – ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۷ء–۱۷۴۰ء) کے دوران میں کیا تھا۔ (۴۷)

۴۳– ہرمن ایتھ (Hermann Ethe)، کالم نمبر ۱۴۷۸–۷۹، اندراج نمبر ۲۷۲۴۔

۴۴– پورا نام رائے رایان، آنند رام اور تخلص مخلصؔ تھا۔ ۱۱۱۱ھ / ۱۶۹۹ء میں پیدا ہوا۔ لاہور کے علاقے سودھرہ سے تعلق رکھتا تھا۔ بعد میں دہلی منتقل ہو گیا۔ شاعری میں مرزا عبدالقادر بیدلؔ (۱۶۴۲ء – ۱۷۲۰ء) اور سراج الدین خان آرزوؔ (۱۶۸۹ء–۱۷۵۶ء) کا شاگرد تھا۔ مخلصؔ اپنے عہد کی نوکر شاہی کا ایک رکن تھا۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق تمام امرا اپنا ایک ایک وکیل بادشاہ کے دربار میں بھیجتے تھے جو ہر وقت دربار میں موجود رہتا تھا۔ مخلصؔ نے بھی اپنا زیادہ وقت نواب اعتماد الدولہ قمر الدین خان، نواب خان بہادر نورالدین خان اور دیگر کئی نوابین کی وکالت کے لیے دہلی کے دربار میں گزارا۔ چودہ کتابوں کا مصنف تھا جن کے قلمی نسخے پنجاب یونی ورسٹی اور دیگر کتب خانوں میں موجود ہیں۔ سعود الحسن خان، "تعارف"، مشمولہ **سفر نامہ بن گڑھ** (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۴ء)، ۱۹– ۲۱۔

۴۵– نفس مرجع۔

۴۶– غلام علی آزاد (۱۷۰۴ء–۱۷۸۶ء) کا تعلق بلگرام سے تھا۔ وہ اپنے عہد کے معروف شاعر، تذکرہ نگار اور مؤرخ تھے اور والی حیدر آباد دکن نواب ناصر جنگ کے استاد تھے۔ مذکورہ تین تذکروں کے علاوہ انھوں نے **سبحۃ المرجان** (علمائے ہند کا تذکرہ) اور **ید بیضا** (شعرا کا تذکرہ) کے عنوان سے بھی تذکرے مرتب کیے تھے۔

۴۷– ہرمن ایتھ (Hermann Ethe)، کالم نمبر ۳۳۹، اندراج نمبر ۶۵۵۔

ایسی ہی ایک اور کتاب **حدیقۃ الاقالیم** (۱۷۸۱ء) بھی ہے جس کے مصنف مرتضیٰ حسین بلگرامی ہیں۔ اس کتاب میں بھی روایتی انداز میں تاریخ، جغرافیے اور سماجیات سے متعلق معلومات پیش کی گئی ہیں مگر ان معلومات کے لیے معاصر مآخذ کے بجائے قدیم مآخذ پر انحصار کیا گیا ہے۔ بالخصوص شہنشاہ اکبر کے عہد میں ہندوستان آنے والے ایرانی مؤرخ اور سیاح امین احمد رازی[۴۸] کی کتاب **ہفت اقلیم** سے اخذ شدہ معلومات پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ تاہم اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ مرتضیٰ حسین ایسٹ انڈیا کمپنی سے وابستہ تھا۔ وہ جیمز سکاٹ کا منشی اور مترجم تھا اور اس سے علمی مباحث کیا کرتا تھا۔[۴۹] یہ کتاب بھی اس نے جیمز سکاٹ کی فرمائش پر لکھی تھی۔

وقائع منازل روم خواجہ عبد القادر کا سفر نامہ ہے۔ خواجہ عبد القادر ٹیپو سلطان کی طرف سے قسطنطنیہ بھیجی جانے والی سفارت (۱۷۸۶ء– ۱۷۸۹ء) میں بہ طور منشی شامل تھے۔ اس سفارت کے بہ ظاہر دو ہی مقاصد تھے۔ ترکی علاقوں میں فیکٹریاں قائم کرنے کی اجازت حاصل کرنا اور خلیفہ سے اپنی تخت نشینی کا پروانہ حاصل کرنا۔ مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کو اندیشہ تھا کہ یہ مشن ان کے خلاف طاقت حاصل کرنے کی کوشش تھا۔ اس سفارت میں غلام علی خان، نور اللہ خان، لطف علی خان اور جعفر خان شامل تھے۔ عبد القادر کے علاوہ سید جعفر بھی بہ طور منشی اس سفارتی مشن کا حصہ تھے۔[۵۰] اس سفر نامے میں عبد القادر نے اپنے سفر کا رپورٹ نما احوال اور سفارت کے مختلف ارکان کے درمیان عداوت، لڑائی اور مخاصمت کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سماجی و معاشرتی احوال کا بھی بیان ملتا ہے؛ جیسے بصرہ میں محرم کے جلوسوں، مرثیہ خوانی، ماتم اور تلوارزنی کا حال تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ سفر نامہ ہندوستان میں عثمانی خلیفہ کی قدر و منزلت اور انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان چپقلش کا اظہار بھی کرتا ہے۔[۵۱] **بیان واقعی** کی نسبت **وقائع منازل روم** میں یورپی اقوام سے تعامل اور ان کی موجودگی کا احساس زیادہ

۴۸– امین احمد رازی کے سوانح و آثار کے لیے دیکھیے:

M.U. Memon, "Amin Ahmad Razi," Encyclopaedia Iranica, I/9, 939, http://www.iranicaonline.org/articles/razi-amin-ahmad, accessed October 8, 2018.

49– Khan, *Indian Muslims' Perception of the West*, 44-45.

۵۰– اس سفارت کے مقاصد اور تفصیلات تاریخ کی متعدد کتب میں درج ہیں۔ دیکھیے:

Emre Yuruk, "Seeking an Ally against British Expansion in India: Tipu Sultan's Mission to the Ottoman Empire" *American International Journal of Research in, Humanities, Arts and Social Sciences. Online edition available at:* http://iasir.net/AIJRHASSpapers/AIJRHASS18-418.pdf

۵۱– عبد القادر، **وقائع منازل روم**، مرتب، محب الحسن (لندن: ایشیا پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۶۸ء)۔

واضح نظر آتا ہے۔ مگر یہ دونوں کتابیں بنیادی طور پر معاصر عہد کی ہندوستانی اور مغربی ایشیائی ممالک کی تاریخ کو مرکز بنائے ہوئے ہیں۔

حاصلِ بحث

ان تمام آثار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم اٹھارویں صدی کے نصف تک جنوب ایشیائی اقوام میں بالعموم اور جنوب ایشیائی مسلمانوں میں بالخصوص یورپی اقوام کے بارے میں عداوت، نفرت یا تعصب کے جذبات موجود نہیں تھے۔ اس کے برعکس انھیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور عوام و خواص ان کی ہنرمندی اور لیاقت کی تحسین و ستائش میں کسی بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ بادشاہوں اور امرا کے درباروں میں انھیں عزت اور اعلیٰ مقام حاصل ہوتا تھا۔ انھیں ہر طرح کی تجارتی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی تھیں اور ان کے مذہب اور تہذیب و ثقافت کے بارے میں علم حاصل کرنے اور اسے سمجھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ یورپی طبیب، مسیحی عالم اور تاجر ہندوستان میں اپنا نصیب آزمانے آتے تھے اور اپنے ہنر اور محنت کا اعلیٰ معاوضہ وصول کرتے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ اکبر سے لے کر عالم گیر تک عظیم مغل بادشاہ اپنی دانائی اور زیرکی کے باعث انھیں ایسی مراعات دینے سے گریز کرتے رہے جو انھیں سیاسی اثر و رسوخ حاصل کر کے ریاستی امور میں مداخلت کے لائق بنا سکتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ عالم گیر کی وفات تک ہندوستان میں انگریز سازشوں کا وہ جال بچھانے میں کام یاب نہیں ہو سکے جو اس کی وفات کے بعد، پہلے بنگال، بہار اور اڑیسہ اور پھر اودھ کی ریاستوں میں بچھایا گیا اور آہستہ آہستہ پورے ہندوستان پر غاصبانہ قبضے کی راہ ہم وار کی۔ یہی وہ سازشیں تھیں جن کے نتیجے میں مقامی افراد، خاص طور پر ریاستوں کے حکم رانوں کے دل میں یورپی اقوام کے خلاف رنجش اور ناپسندیدگی کے جذبات پیدا ہوئے جو بالآخر مزاحمت پر منتج ہوئے۔ تاریخی اعتبار سے جنوب ایشیائی اقوام زمانۂ قدیم سے مغربی اقوام سے باہمی روابط قائم کرتی رہی تھیں اور مخصوص انفرادی واقعات و اسباب سے قطع نظر، تاریخی طور پر دونوں خطوں کے باشندوں میں کبھی بہ طور قوم نفرت اور عداوت کا رشتہ نہیں رہا۔ یہ احساس استعماری حکومت کے قیام اور ایشیائی اقوام کے استحصال کے بعد پیدا ہوا اور اس کے اسباب میں ایک طرف ناجائز سیاسی غلبہ و تسلط کی کوشش کارفرما تھی تو دوسری طرف عوام کے ساتھ حاکمانہ اور رعونت بھرا رویہ بھی ردِ عمل پیدا کرنے کا باعث بنا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

List of Sources in Roman Script

- ‘Abd al-Qadir. *Waqa’i‘-i Manazil-i Rum*, edited by, Muhibb al-Hasan. London: Asia Publishing House, 1968.
- *A New General Collection of Voyages and Travels: Consisting of the Most Esteemed Relations, which have been Hitherto Published in Any Language*. Book 1, Vol.1. London: Thomas Astley, 1744.
- Abdul Qadir, A. F. M. “Early Muslim Visitors of Europe from India.” In *Proceedings and Transactions of the Sixth All-India Oriental Conference, Patna, December, 1930*. Patna: The Bihar and Orissa Research Society, 1933.
- Alam, Muzaffar and Subrahmanyam, Sanjay. *Indo-Persian Travels in the Age of Discoveries, 1400-1800*. Cambridge: Cambridge University Press, 2007.
- Barkati, Syed Mahmud Ahmad. ed, & trans. *Mushahidat-i Farang: Atharvin Sadi Masihi Main Yurup ka Aik Ilmi Safarnama*. Lahore: Maghribi Pakistan Urdu Academy, n.d.
- Bernier, Francois. *Travels in the Mughal Empire, A. D. 1656-1688*. Translated by Archibald Constable. London et. al: Oxford University Press, 1916.
- Dames, Mansel Longworth. *The Book of Duarte Barbosa: An Account of the Countries Bordering on the Indian Ocean and Their Inhabitants*. Two Volumes. London: Hakluyt Society, 1918-1921.
- Elliot, H. M., Dowson, John. *The History of India as Told by Its Own Historians: The Muhammadan Period.* Vol 6. London: 1827, Reprint Dehli, 1990.
- Ethe, Hermann. *Catalogue of Persian Manuscripts in the India Office Library*. Vol. 1. Oxford: The India Office: 1937.
- Fisher, Michael H. *Counterflows to Colonialism*. Delhi: Permanent Black, 2004.
- Foster, William, ed. *Early Travels in India 1583-1619*. London et.al: Oxford University Press, 1921.
- Foster, William, ed. *The Embassy of Sir Thomas Roe to India, 1615-19*. London, Oxford University Press, 1926.

- Gladwin, Francis, trans. *The Memoirs of Khojeh Abdulkurreem*. Calcutta: 1788.
- Haqqi, Shan al-Haq. *Farhang-i Talaffuz*. Islamabad: Muqtadirah Qaumi Zaban, 2008.
- Hawkins, William. "West and North India- 1608-13". In *Vision of Mughal India: An Anthology of European Travel Writings,* edited by Michael H. Fisher, 59-75. London, New York: I. B. Tauris, 2007.
- Khan, Gulfishan. *The Indian Muslims' Perception of the West During the Eighteenth Century*. Karachi: Oxford University Press, 1998.
- Khan, Samsam al-Daulah Shahnawaz. *Ma*'a*thir al-Umara'*. Translated by Ayyub Qadirī. Lahore: Markazi Urdu Board, 1969.
- Khan. Sa'ud al-Hasan, ed. "Ta'aruf". In *Safarnamah Ban Garh*. Lahore: Fiction House, 2004.
- Lewis, Bernard. *The Muslim Discovery of Europe*. New York: W. W. Norton & Company, 2001.
- MacCrindle, J. W. *Ancient India as Described by Megasthenes and Arrian*. London: Trubner & Co., 1877.
- Maclagan, Edward. *The Jesuits and the Great Mogul*. London: Burns Oates and Washbourne, 1932.
- Malabari, Zain al-Din. *Tuhfat al- Mujahidin*, edited by Hakim Sayyid Shams Allah Qadiri. Hyderabad: Historical Society of Hyderabad, n.d.
- Memon, M. U. "Amin Ahmad Razi." *Encyclopaedia Iranica,* I/9, 939, Online edition, https://iranicaonline.org/articles/razi-amin-ahmad, accessed October 8, 2018.
- Mitchell, Jean Brown. "European Exploration". *Encyclopedia Britannica*, Online Edition. https://www.britannica.com/topic/European-exploration. accessed April 12, 2018.
- Nihavandi, 'Abd al-Baqi. *Ma*'a*thir -i- Rahīmī*. Translated by, Sayyid Mansur 'Ali Suharvardi. Lahore: Al-Faisal Nashiran, 2018.

- Qaisar, A. J. *The Indian Response to European Technology and Culture (A. D. 1498-1701)*. Delhi: Oxford University Press, 1982.
- Quraishi, Qudsiyah. *Urdu Safarnamay Unnisvin Sadi Main*. Dehli: Maktabah-I Jami'ah, 1987.
- Rawlinson, H. G. *British Beginnings in Western India ,1579-1657: An Account of the Early Days of the British Factory of Surat* .Oxford: Clarendon Press, 1920.
- Rowlandson, M. J., ed. & trans. *Tuhfut-ul-Mujahidin: An Historical Work in the Arabic Language*. London: The Oriental Translation Fund of Great Britian and Ireland, 1833.
- Sabzvari, Tahir Muhammad. *Rawzat al-Tahirin.* Ms. Elliot. 314. Bodleian Library. Oxford: Ms. Or., 168. British Library, London.
- Salim, Sayyid Muhammad. *Maghribi Zabanon ke Mahir 'Ulama*. Lahore: Majlis-i Taraqqi-i Adab, 2015.
- Seth, Mesrovb Jacob. *Armenians in India: From the Earliest Times to the Present Day*. Calcutta, 1937.
- Subrahmanyam, Sanjay. "Taking Stock of the Franks: South Asian Views of Europeans and Europe, 1500-1800." *The Indian Economic and Social History Review*. 42, no. 1 (2005): 69-100.
- Warid, Muhammad Shafi'. '*Ajaib al-Buladan*. Pers. MS. Ousley 213. Oxford: Bodleian Library.
- Yuruk, Emre. "Seeking an Ally against British Expansion in India: Tipu Sultan's Mission to the Ottoman Empire". *American International Journal of Research in Humanities, Arts and Social Sciences.* Available at: http://iasir.net/AIJRHASSpapers/AIJRHASS18-418.pdf